

## حیرت

افسر ساجد سے ملاقات سرکاری سی تھی۔ بلکہ حد درجہ سرکاری 1986 کی بات ہے۔ اس زمانے میں ضلعی انتظامیہ واقعی ضلعی انتظامیہ تھی۔ طاقت کا اصل منع۔ میری پہلی تعیناتی ملتان ہوئی تھی۔ دستور تھا کہ پہلے کمشنر صاحب بہادر کو ملنا تھا اور پھر ڈپٹی کمشنر کو۔ اسٹینٹ کمشنر اندر ریٹینگ ہونے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آپ کی تمام غلطیاں معاف کر دی جاتی ہیں۔ ویسے نوکری کے اوائل میں انسان کیا غلطی کر سکتا ہے۔ کمشنر سے ملنے کا طریقہ کیا تھا۔ بالکل اندازہ نہیں تھا۔ میں اور مرحوم جاوید نواز دونوں مشورہ کر کے صحیح جب ڈویژنل دفتر پہنچے تو بتایا گیا کہ کمشنر سے ملنے کیلئے پہلے انکے شاف سے ملنا پڑتا ہے۔ ذہن میں سوال تھا۔ مگر کیوں۔ ایک انتہائی مستعد نائب قاصد، ہمیں کمشنر کے شاف افسر کے کمرے میں لے آیا۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ ملتان میں کمشنر کا دفتر وہی ہے یا بدل چکا ہے۔ میری دانست میں تو دنیا ہی بدلتی ہے۔ بہرحال ایک وسیع و عریض کمرے میں ایک سنجیدہ طبع انسان آرام سے بیٹھا گلیں دیکھ رہا تھا۔ گمان ہے کہ اس نے عینک نہیں لگا رکھی تھی۔ تعارف ہوا جو مکمل طور پر واجبی ساتھا۔ یہ افسر ساجد سے میری پہلی ملاقات تھی۔ جاوید نواز مرحوم اور میں، تھوڑی دیر بعد کمشنر سے ملکروپس گئے، تو دونوں کا خیال تھا کہ افسر ساجد روائی قسم کے سرکاری افسر ہیں۔ مگر میرا گمان مکمل طور پر غلط نکلا۔ افسر ساجد سے احترام اور محبت کا جو نایاب رشتہ چار دہائیوں پہلے شروع ہوا، اس میں یہ تھے داشتھ شخص آہستہ آہستہ کھلتا چلا گیا۔ ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ دفتر میں کام کرنے والا اسٹینٹ کمشنر جzel جسے اے سی جی کہا جاتا ہے، اس قدر شاستہ انسان اور کمال شاعر ہے۔ طالب علم ملتان ایک سال رہا۔ لازم ہے کہ ضلعی انتظامیہ میں ہونے کی وجہ سے افسر ساجد سے بہت ملاقاتیں ہوئیں۔ مگر معلوم نہ ہو پایا کہ اس سادہ سے شخص کے اندر کیفیت کے کون کون سے طوفان چھپے ہوئے ہیں۔ ہاں، ایک بات۔ افسر ساجد کی میرے بہنوئی، راناضیاء الرحمن سے کافی دوستی تھی۔ اس زمانے میں ضیاء بھائی ڈی سی ویہاڑی تھے۔

ملتان سے پوسٹنگ سیالکوٹ کی ایک تحصیل میں ہوئی تو افسر ساجد سے رابطہ مکمل طور پر ختم ہو گیا۔ مگر بہرحال ایک خوشگوار تعلق ہمیشہ موجود رہا۔ چار سال بعد جب بہاولپور پہنچا تو اس وقت مرتضی بیگ براں کمشنر تھے۔ ایک صاحب فکرانسان۔ کمال کے شاعر تھے۔ انکا خاصہ تھا کہ وہ مہینے میں ایک دو ادبی تقریبات برپا کیے رکھتے تھے۔ وہاں پہلی بار افسر ساجد سے بطور شاعر ملاقات ہوئی۔ پہلی مرتبہ، ایک مشاعرہ میں اس شخص کو بذات خود سنکر واقعی حیرت ذدہ رہ گیا۔ اتنا کم گوانسان اور اتنا بہترین شاعر۔ بہرحال نوکری کے تھیڑوں میں، ہم دونوں، کبھی یہاں اور کبھی وہاں۔ مگر بہر طور افسر ساجد سے رابطہ ضرور رہا۔ ایک دیانتدار سرکاری اہلکار کی شہرت تو خیر تھی ہی، مگر ایک بہترین شاعر ہونے کا اعزاز حد درجہ بلند تھا اور ہیگا۔ اس سے بھی بڑھ کر، ایک انتہائی عمدہ انسان۔ اکثر لوگ ریٹائر ہونے کے بعد لا ہور، اسلام آباد، کراچی یعنی نسبتاً بڑے شہروں میں ڈیرہ جاتے ہیں۔ مگر افسر ساجد نے اپنے پرانے شہر، لاہل پور (فیصل آباد) میں منتقل ہونا بہتر سمجھا۔ یہ بھی ایک انتہائی تہذیب یافتہ شخص کر سکتا ہے کہ اپنے پرانے گھر اور مقام کو دوسرے شہروں پر ترجیح دے۔ ویسے کبھی کبھی میرے ذہن میں بھی آتا ہے کہ مجھے لاہل پور رہنا چاہیے تھا۔ مگر پھر لا ہور مجھے اتنا مصروف رکھتا ہے کہ افسر ساجد کی طرح، اپنی جنم بھومی

جانے کا خیال دل سے نکل جاتا ہے۔ بات کو مختصر کر کے عرض کرتا چلوں، کہ چند دن پہلے افسر ساجد کا فون آیا کہ گھر کا پتہ بتاؤ۔ کتاب بھجوںی ہے۔ فون کے تین چار دن کے بعد، ایک کتاب موصول ہوئی۔ شاعری کے اس مجموعہ کا نام تھا۔ حیرت۔ اگلے دو دنوں میں سٹڈی میں اس کتاب کو غور سے پڑھتا رہا اور سر دھنٹا رہا۔ کمال شاعری۔ سادہ اور خوبصورت غزل کے حوالے سے بھی اور نظم کے تاثر سے بھی۔ پہلے دل میں خیال تھا کہ افسر ساجد کو فون کروں اور بتاؤں کہ جناب یہ بے حد اچھی شاعری ہے۔ پھر فیصلہ کیا کہ نہیں۔ ایک فون سے اس کتاب کا مجموعی تاثر بیان کرناحد رجہ نا انصافی ہے۔ لہذا کالم کا سہارا لینا پڑا۔ ویسے بارہ تیرہ سو الفاظ میں بھی اس دلکش تحریر کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ پرمسلہ یہ ہے کہ کالم لکھنے کے علاوہ اور کوئی کام آتا ہی نہیں ہے۔ ”حیرت“ سے چند اشعار زیپ تحریر کرتا ہوں۔

کیا توقع سحر کے آنے کی

شب کو جلدی نہیں ہے جانے کی

اب تو شدت سے یاد آتی ہیں

بیتی با تین گئے زمانے کی

اپنی قامت بڑھا رہا ہوں میں

کوئی کوشش میں ہے گھٹانے کی

میں اپنا دردسر شام بھول جاتا ہوں

سحر کی آس میں ہر کام بھول جاتا ہوں

چلا، ہی چلتا مگر تو نہ ساتھ تھا میرے

ترے خیال میں ہر گام بھول جاتا ہوں

کنول کا پھول جو لہ کا ہے نیلے پانی پر

میں اس کے عکس میں ہر نام بھول جاتا ہوں

عجیب دیوانگی ہے یہ

عجیب سی آشنائی ہے

نہ کچھ کہنے کی ساعت ہے

نہ کچھ سننے کی مہلت ہے

بس ایک حیرانگی ہے جو

ہمیں کہنے نہیں دیتی  
انہیں سننے نہیں دیتی

محبت لفظ ہے ایسا  
جسے پرکھا نہیں جاتا  
جسے تولا نہیں جاتا  
محبت دو دلوں کے قرب کا  
ایسا وسیلہ ہے  
جسے رنج و الم اور حرز جاں سے  
خاص نسبت ہے!  
محبت ایک کسک ہے، درد ہے  
اُفتاد ہے ایسی  
جسے محسوس کرتے ہی نگاہوں میں  
عجب سے جھلملہ ہٹ عود آتی ہے!  
محبت لفظ ہے، احساس ہے، بحر معانی ہے  
محبت کرب ہے، ارمان ہے، سوزنہانی ہے  
محبت میں زباں خاموش رہتی ہے  
نظر سے بات ہوتی ہے  
محبت خود ستم ایجاد کرتی ہے

قصہ ناوجوہ میں  
منظرا ہست و بود میں  
اس کا جونام آگیا  
برزخ قید حال میں  
حضرت ناتمام کا

تشہ پیام آگیا  
مقتل صحیح و شام میں  
محشر بے امان میں  
جب کوئی کام آگیا  
جنپش ماہ و سال میں  
کچھ تو قیام آگیا

ہم اپنے غم کا کریں تذکرہ توکس سے کریں  
اگر چہ غم یہ ہمارا نہیں سمجھی کا ہے  
ہمیں یہم کہ چون میں خزاں کا عالم ہے  
کلی چلتی نہیں اور شگوفے کھلتے نہیں  
زبان پہ مہر خوشی دلوں میں حزن و ملاں  
ہمارے خوابوں کی تعبیر بھی رہی تشنہ  
ہے تارتاریہ ہستی، شکستہ حال زمیں  
کسے خبر کہ چلے سلسلہ کہاں تک یہ!

تہائی۔۔۔ عذاب  
عذاب تہائی  
قرب سے محرومی، عذاب جاں  
اور خانہ ویرانی دل  
خزاں کے دوش پہ گرفتہ ہوش  
اپنے حال سے بھی لائق  
سخت جانی ہائے تہائی کا مدفن  
اک سراب آرزو کا مستقر  
اک اور عذاب آگی

جس کے تعاقب میں شعور زیست  
انا کی گرد میں دھنڈ لا گیا ہے  
مگر وہ لفظ جو تم نے کہا تھا زیرِ لب  
سناتو یوں لگا جیسے

الا وچا ہتوں اور خواہشوں کا  
دہک کرن بھر رہا ہو!

افسر ساجد کی خوبصوردار شاعری نے مجھے توجیہت ذدہ کر دیا۔ کتاب کا عنوان بھی یہی ہے اور اتنی اعلیٰ شاعری کے بعد ہنسنی کیفیت میں جیہت عود کر آئی ہے۔ کمال شاعری ہے۔ برادرم افسر ساجد، آپ کتنے اچھے انسان ہیں یا کتنے بڑے شاعر ہیں۔ میرے لیے یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہے۔ مگر فیصلہ کرنے والا میں کون ہوتا ہوں!